اصطلاحاتِ ترجمہ کے کلیدی زمرے

محمد الیاس کبیر[1]، ڈاکٹر سائرہ ارشاد**

Abstract:

"The process of transferring an imagination from one language to another is called "translation".There is many translation terms used in Urdu literature which the translator adopts according to his needs and ideology. However, four of these terms, translation (literal, machine, Pseudo and creative) cannot be forgotten due to their unique characteristics and necessity. The literal translation of any text is called "literal translation", while in the present age, all walks of life have become dependent on machine translation. Similarly, pseudo translation refers to translations which seem to be translations but are real On the contrary. When it comes to creative translation, it involves communicating the meaning of the text and in such translations the translators express their creativity. It can be said that thanks to these important terms, translation has expanded immensely. The practice of understanding and applying these terms justifies this article."

Key words: Syntactic structure, applicability, textualization, broad meaning, vocabulary, terminology, theoretical requirements.

کسی تحریر و خیال کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا ''ترجمہ'' کہلاتا ہے۔ منتقلی کا یہ عمل ''بعینہ''ہونا چاہیے۔ ترجمہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معانی''ایک طرف سے دوسری طرف لے جانا''یا ''ایک زبان سے دوسری زبان میں بیان کیا ہوا'' کے ہیں۔

یہ ایک قدیم فن ہے جس کی بدولت علوم و فنون کو فرغ حاصل ہوا۔ ترجمے کی بدولت نہ صرف مختلف علوم و فنون ترقی کی راہ پر گامزن ہوئے بلکہ ا س عمل کی بدولت کسی ایک زبان کی خاصیتیں دوسری زبان میں منتقل کا یہ عمل اس زبان کے مزاج اور اسلاب پر بھی اثر ڈالتا ہے۔ ترجمہ قدیم فن ہونے کے باوجود اس وقت ہی پر اثر ہو سکتا ہے جب تک مترجم اس زبان کے ادب اور تہذیب و ثقافت سے واقفیت حاصل نہ کر لے، جس زبان سے ترجمہ کر رہا ہو :

> ''ترجمے کا عمل ان چند عوامل میں سے ہے جو اس تہذیبی تصادم کو روکنے میں ہی نہیں بلکہ مختلف تہذیبوں کے مابین خوشگوار تعلقات کی استواری میں بھی مدد گار ثابت ہو سکتا ہے۔ اہمیت اس امر کی ہےکہ اس کا استعمال کس طرح پر ، کس پر اور کس مقصد کے لیے کیا جاتاہے۔''(۱)

اسی طر ح اسے موضوع اور فن پر مکمل دسترس ہونی چاہیے نیز زبان کے مزاج کو بھی مد نظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ترجمہ کرتے ہوئے محاورات و اصطلاحات کا بھی خاص خیال رکھنا چاہیے۔ جبکہ جملے کی ساخت اور اجزائے ترکیبی پر بھی غور و فکر کیا جائے۔ مفہوم ،اسلوب ، طرزِبیاں، الفاظ کی ترتیب اور آسان فہمی کا خیال رکھنا بھی نہایت اہم ہے۔ یوں ترجمہ نگاری باقاعدہ

---

[1]اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ ولایت حسین اسلامیہ گریجویٹ کالج ، ملتان

** لیکچرار، شعبہ اردو، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونی ورسٹی بہاول پور

طور پر فن کی حیثیت رکھتا ہے اور اسے تخلیقی ترجمے سے کسی طور کم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

'' ترجمے کاکام یقینا ایک مشکل کام ہے ۔ اس میں مترجم و مصنف کی شخصیت، فکر و اسلوب سے بندھا ہوتا ہے۔ ایک طرف اس زبان کا کلچر ، جس کا ترجمہ کیا جا رہا ہے،اسے اپنی طرف کھینچتاہےدوسری طرف اس زبان کا کلچر ، جس میں ترجمہ کیا جا رہا ہے، یہ دونوں خود مترجم کی شخصیت کو توڑ دیتا ہے۔''(۲)

عام طور پر ترجمے کی تین اقسام اہم قرار دی جاتی ہیں:

۱۔ لفظی ترجمہ

۲۔ آزاد ترجمہ

۳۔ بامحاورہ ترجمہ

لفظی ترجمے میں ہر لفظ کا ترجمہ کیا جاتا ہے جس کی بدولت اصل زبان اور ترجمہ قریب قریب محسوس ہوتے ہیں۔

آزاد ترجمے میں مرکزی خیال اور مفہوم مد نظر رکھا جاتا ہے۔ مترجم متن کے الفاظ میں الجھنے کی بجائے اس کا مفہوم اپنی زبان میں بیان کرتا ہے۔

اس طرح بامحاورہ ترجمہ میں ایک زبان میں مستعمل محاوروں کا دوسری زبان کے محاوروں سے ترجمہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ یہ عمل بر محل ہونے کے علاوہ متن کے مفہوم میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی :

''آزاد ترجمہ قدرتی زبان کے ساتھ پرواز تخیل، موزونیٔ طبع کا تقاضا کرتا ہے۔آزاد ترجمے کی گنجائش زیادہ تر تخلیقی ادب کے تراجم میں ہوئی اور خصوصا شاعری میں چار لفظی سے زیادہ ادبی ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔''(۳)

ترجمہ دو زبانوں کے مابین ''ربط'' کا ذریعہ ہے۔ اسے ابتداء میں انسان نے باہمی میل جول اور لین دین کے لیے استعمال کیاتاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جہاں دنیا نے دیگر علوم و فنون میں ترقی کی وہیں ترجمہ نگاری کا سفر بھی آگے بڑھتا رہا۔

اردو کے آغاز میں مذہبی تراجم کو اہمیت ملی ، دوسرے لفظوں میں عربی اور فارسی زبان سے ناواقفیت ترجمے کی بنیاد بنی۔سترھویں صدی میں صوفیائے کرام نے اس ضرورت کو محسوس کیا ، یوں ترجمہ نگاری کا آغاز ہوا۔ :

''کسی تحریر ، تصانیف یا تالیف کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنے کا عمل ترجمہ ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ترجمہ کسی متن کو دوسری زبان میں منتقل کرتے ہوئے اس کی تعبیر کرتا ہے۔یعنی ترجمے کا عمل ایک علمی یاادبی پیکر دوسرے پیکر میں ڈھالنے کا عمل ہے۔''(۴)

ترجمہ انسانی رویوں کی سائنس کہلاتا ہے، اس لیے جب اس کا اطلاق کیا جائے تو لفظ و معانی متغیر رہتے ہیں۔تغیر پزیری کا یہ دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ ترجمہ نگار اپنی مہارت اور حکمت عملی کے بغیر ان وسعتوں کو تلاش نہیں کر سکتا۔اس کا زیادہ تر انتخا ب وہ ترجمہ نگارکرتے ہیں جو اپنی تحریروں کے علاوہ دیگر مصنفین کی تحریروں کے تراجم کرتے ہیں۔ دشوار متن میں ترجمہ نگار کی حکمت عملی ایک مثبت قدم ہے کیونکہ مترجم ایسا نہ کرے تو ترجمہ کا عمل مکمل نہیں ہو سکتا۔اصطلاحات کو ٹرم بینک بھی کہا گیا کیونکہ اس کی بدولت باآسانی تراجم کے مراحل طے کیے جا سکتے ہیں۔ہر طرح کا موضوع کمپیوٹر کا حصہ بن کر اس میں سما جاتا ہے اور آسانی تلاش کیا جا سکتا ہے۔اصطلاحات کی تعریف میں خالد محمود خان بیان کرتے ہیں:

''اصطلاحات سے مراد کسی خاص چیز، واقعہ، مظہر یا تصور کی خاص علامت ہوتی ہے۔ کوئی بہت بڑی اور وسیع معنویت ایک آدھ لفظ کی تخصیص میں سمو دی جاتی ہے۔دنیا بھر کے طبعی، معاشرتی اور تجارتی علوم کی اپنی اپنی اصطلاحات ہوتی ہیں۔''(۵)

ادبی اور معاشرتی علوم اجتماعی معنویت کے حامل ہوتے ہیں۔اس قسم کے متون میں ترجمہ نگار معنویت کے معاشرتی سیاق و سباق ایسے سادہ عمل کو اپنی وسعت نظر،ادراک اور پیش کاری کی بدولت مدِ نظر رکھتاہے:

''ترجمہ نگار ذریعہ کی زبان،ذریعہ کا متن، اس کے لفظوں کی ثقافت میں اپنی سمجھ بوجھ کی گہرائی پیدا کرتا ہے۔اسی طرح ترجمہ کی زبان، ترجمہ کا متن اور ترجمہ کی زبان کے لفظوں کی ثقافت کا ادراک کرتا ہے۔دونوں زبانوں کے اصول و قواعد اور گرائمر میں دسترس حاصل کرتا ہے۔ اس تربیت اور ریاضت سے وہ اپنی ترجمہ نگاری کی صلاحیت کو نکھارتا ہے اور اس کے فن میں مہارت کی خاصیت پیدا ہوتی ہے۔مہارت کا نتیجہ ترجمہ میں پیغام کے ابلاغ سے لے کر ترجمہ ٔ کامل تک پھیلتا چلا جاتا ہے۔''(۶)

لسانیاتی تحقیق کی بدولت علم ترجمہ کے بہت سے معاون اصول دریافت کیے گئے ہیں جو ترجمے کے عمل میں مدد گار ثابت ہوتے ہیں۔ ان کی بدولت متن کا پیغام بہتر انداز میں ابلاغ کیا جاتا ہے۔مثال کے طور پرترجمہ کے متن میں سکوپوس کے رجحان سے مقصد اور مفہوم کو واضح کیا جاتا ہے نیز اس کا متن اطلاع کی پیش کش ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ترجمہ کا متن مربوط ہو۔

ہر علم اپنے چند قواعد و ضوابط رکھتا ہے۔اسی طرح علم ترجمہ بھی اپنے اصول و قوانین کا تعین کرتا ہے۔ اسلو ب کی بات کی جائے تو فکشن رائٹر یا فن پارے میں تو اسلوب کی خصوصیات نمایاں ہوتی ہیں۔اسلوب کا تصور بظاہر جتنا پیچیدہ لیکن آسان فہم ہے مطالعہ کی کمی اور سطحیت کی وجہ سے یہ پیچیدہ ترین تصور ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ مطالعہ میں و سعت اور گہرا ئی کی بدولت اسلوب کا بہت ہی آسان اورواضح تصور پیداکرسکتے ہیں۔اصطلاح مخصوص معنویت پر مشتمل تصور ہے۔

''ہر علم کی اصطلاحات کی معنویت یا موضوعات، اجزءوغیرہ دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔''(۷)

علم ترجمہ کی بے شمار اصطلاحات ہیں ، اس حوالے سے اردو محقیقین کی خدمات لائق تحسین ہیں،کہیں ارتباط و انضباط پایا جاتا ہے اور کہیں روایتی طرز اپنائی جاتی ہے اور کہیں براہ راست تراجم پر اکتفا کیا جاتا ہے۔اسی طرح ثقافت اور لفظی معنی ایسی اصطلاحات بھی اپنا آ پ منواتی ہیں۔غرض ادب کے مو ضوعات میں جس قدر وسعت دکھائی دیتی ہے اسی طرح اصطلاحات کا دائرہ کار بھی وسیع ہے۔ اصطللاحات خیالات کے مجموعے کو ایک قالب میں ڈھالنے کا نام ہے جن کی بدولت علوم و فنون کوسمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔بقول وحید الدین سلیم:

''اگر اصطلاحات نہ ہوں تو ہم علمی مطلب کے ادا کرنے میں طول لاطائل سے کسی طرح نہیں بچ سکتے ۔ جہاں ایک چھوٹے سے لفظ سے کام نکل سکتا ہے وہاں بڑے بڑے لمبے جملے لکھنے پڑتے ہیں اور ان کو باربار دہرانا پڑتا ہے۔''(۸)

ترجمہ نگاری کی بہت سی اصطلاحات مستعمل ہیں جنہیں مترجم اپنی ضرورت و نظرئیے کے تحت اپناتا ہے۔تاہم ان میں یہ چار اصطلاحات بالترتیب لفظی، مشینی، جعلی اور تخلیقی تراجم اپنی منفرد خاصیتوں کی بدولت کسی صورت فراموش نہیں کیے جا سکتے۔

کسی بھی متن کا لفظ بہ لفظ ترجمہ ''لفظی ترجمہ'' کہلاتا ہے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ لفظی ترجمہ تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار نہیں کرتا، اس لیے اسے زیادہ ترمذہبی، فنی اور سائنسی کتابوں کے تراجم کے لیے بہتر تصور کیا جاتا ہے۔لفظی ترجمے میں زبان کے نحوی ڈھانچے میں ایک لفظ کے متبادل لفظ دیا جاتا ہے۔لفظ بہ لفظ ترجمہ نہ صرف زبان کے نحوی ڈھانچے کو متاثر کرتا ہے بلکہ تحریر عدم دلچسپی کا باعث بنتی ہے، اسی طرح اصل متن سے زیادہ اس کا اپنا اسلوب اور تہذیبی رنگ بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ ہمارے ہا ں لفظی ترجمہ کرتے ہوئے الفاظ کی من و عن نقل جاتی ہے ۔مذہبی حوالے سے دیکھا جائے تو مولانا رفیع الدین نے قرآن پاک کا پہلا لفظی ترجمہ کیا تھا۔ اس ترجمے میں سلاست اور روانی کی کمی تھی جبکہ مولانا رفیع الدین کے چھوٹے بھائی شاہ عبد القادر کا اردو میں

کیا گیا ترجمہ آسان تھا۔مقدس کتابوں ، دستاویز، اقوال اور مراسلات کے علاوہ بادشاہوں کے فرمان کو لفظی ترجمہ نگاری کی بدولت اہمیت حاصل رہی۔ لہٰذا اصل متن کی مو جودگی میں ترجمہ محض نقل تصور کیا جاتا تھا۔ سنسکرت عوامی زبان نہ ہونے کے باوجود مقدس کتابوں ، جنتر منتر اور بھجن پیش کرنے کے لیے یہی زبان مستعمل تھی۔مسلمانوں میں دربار اور درگاہ کے درویش ، صوفی اور صوفیونمیں بھی یہی رویہ دکھائی دیتا ہے۔:

''علم ترجمہ کے دستیاب وسائل کے مطابق،یہ ممکن ہی نہیں کے ذریعہ کے متن کو ترجمہ کے متن میں کاملّیت کے ساتھ منقلب کیا جا سکے۔ اسی انداز فکر کے مطابق یہ آسان نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اگر ذریعہ کا متن مکمل انداز میں ترجمہ کے متن میں منتقل کیا جا سکتا ہوتو ترجمہ کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیونکہ کہ وہ تو مکمل طور پر ذریعہ کے متن کے مطابق ہے۔''(۹)

لفظی ترجمہ عہد قدیم کی عطا ہے۔وقت گزرنے کے ساتھ اس تصور میں تبدیلیاں آتی رہیں اور ترجمہ کے تصور کا ارتقا ئی سفر جاری رہا۔ یہ تراجم عام طور پر مقدس کتابوں کے ہوتے تھے۔ ان میں متن کے تقدس کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔اس مقصد کو حصول کے لیے تحریر کے معنی کی بجائے لفظوں کے تبادلے اہم سمجھے جاتے تھے جس کی وجہ سےایسے تراجم موثر ابلاغ کے حامل نہیں ہوتے تھے۔بالعموم لفظی ترجمہ کے روایتی سیاق و سباق میں کی بجائے اسلوب کے ساتھ تعلق کی تلاش کی گئی۔ اس عمل سے متن کی زبان میں جو لغت استعمال کی گئی وہ ترجمہ کی زبان میں معنویت کا ابلاغ کرتی ہے:

''ترجمہ نگار اس مقصد کی تکمیل کے لیے ایسے الفاظ کا چناؤ کرتا ہے کہ جس میں کم کوشش کے باوجود زیادہ سے زیادہ اثر کا پیمان ہوتا ہے۔ اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ (ترجمہ نگار) وجدانی طور پر کم از کم سے زیادہ سے زیادہ کے طریقہ کو اپنا رہا ہوتا ہے۔''(۱۰)

ترجمہ میں ہر عمل کا کوئی نہ کوئی مقصد یا مفہوم ہوتا ہےیہ عمل کسی نئے نتیجے، صورت حال یا واقعہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے ۔ مترجم کو وضاحت کرنی چاہیے کہ اس نے کسی خاص انداز کا عمل کیوں اپنایا جبکہ وہ اس سے مختلف انداز بھی اپنا سکتا تھا۔

فعالی نظریات کے مطابق کسی خاص موقع محل، صورتِ حال یا وقت کے تقاضوں کے پیشِ نظر ترجمہ نگار مخصوص رویہ اختیار کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی بھی فیلڈ سے وابستہ شخص کا مختلف طرح کی صورتحال میں ردعمل منفرد ہوتاہے۔

ہر عہد اپنے خاص نقوش کی بدولت نہ صرف اس عہد بلکہ مستقبل پر بھی اثر انداز ہوتاہے۔اسی طرح ہر تحریر اپنے خاص موضوع یا نقطۂ نظر کی عکاس ہوتی ہے، یہی چیز تخلیق کار کے اسلوب پر گہرے نقوش اجاگر کرتی ہے۔جنگ عظیم و دوم اور تقسیمِ ہندجیسےواقعات فکشن پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں ۔ تخلیق کار اپنی تحریر کی بدولت نہ صرف عہد حاضر بلکہ ماضی و مستقبل کو بھی شامل رکھتاہے۔لفظی تراجم اس لیے اپنی اہمیت منوانے میں کامیاب رہے کہ ان میں مصنف کے اسلوب کو فوقیت دی گئی اور ترجمہ نگار اس کوشش میں رہا کہ متن کی معنویت بر قرار رہے۔اس حوالے کئی بار تخلیق کو دوبارہ جنم دینے کی کوشش نے ترجمے کی سلاست اور روانی پر اثر ڈالا کیونکہ اکثر و بیشتر مترجم کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ تاثرات کو دوسری زبان میں منتقل کرتے ہوئےجملوں کی ساخت تبدیل کرے۔یہی وجہ ہے کہ لفظی ترجمہ ادب کے لیے موزوں قرار نہیں دیا جاتا کیونکہ اس سے ادبی تحریر کی چاشنی ماند پڑتی ہے ،دوسرے لفظوں میں ترجمہ شدہ تحریر کی ادبیت متاثر ہوتی ہے ۔لفظی ترجمہ مذہبی و سائنسی تحریروں کے لیے کار آمد ثابت ہوتا ہے۔

اردو ترجمے کی دوسری اصطلاح ''مشینی ترجمہ ''سے متعلق ہے۔موجودہ دور میں تمام شعبہ ہائے زندگی ٹیکنالوجی کے محتاج ہوگئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تراجم میں لسانی انجینئرنگ کو اہمیت دی جا رہی ہے۔ اس مقصد کے لیے مشینی ترجمے اور مشینی اعانتی ترجمے کے سافٹ وئیر ز پرمسلسل

کام ہو رہا ہے۔اگرچہ مشینی تراجم میں دستاویز کا سو فیصد درست ترجمہ نہیں ہو سکتا تاہم اعلی قسم کی مشینو ں کے استعمال سے فرہنگیں، لغات اور ٹرانسلیشن میموریز بنائے جا سکتے ہیں۔ مشینی ترجمے میں کمپیوٹر ٹیکنالوجی استعمال کرتے ہوئے ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کیا جاتا ہے۔دوسرے لفظوں میں ماخذ زبان کے متن کا سے مطلوبہ زبان میں سافٹ وئیر کی مدد سے ترجمہ کیا جاتا ہے۔مشینی ترجمہ کمپو ٹیشنل لسانیات کی شاخ قرار دیا جاتا ہے۔

۱۹۵۰ء کے آغاز میں محققین نے اس طریقے پر کام کیا اور ۱۹۵۴ء میں چند روسی جملے انگریزی میں ترجمہ ہوئے۔۱۹۸۰ء میں مشینی ترجمے کے شماریاتی ماڈل پر توجہ دی گئی ۔ ماہرین لسانیات کے مطابق صرف وہی زبانیں بقا حاصل کریں گی جو ٹیکنالوجی کی زبانیں ہوں گی۔مشینی ترجمے کے دو طریقے ہیں:

۱۔ مشین ٹرانسلیشن

۲۔ کمپیوٹر اسسٹ ٹرانسلیشن

علم ترجمہ میں بہت سے طریقےاستعمال کرتے ہوئےادبی اور علمی کتابوں کے تراجم کے لیے لغات اور انسائیکلو پیڈیا سے رہنمائی لی جاتی ہے۔موجودہ دور میں سب کچھ کمپیوٹر سے با آسانی تلاش کیا جا سکتا ہے تاہم اکثر محقیقین اس سہولت سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ ترجمہ میں کمپیوٹر کا استعمال اپنی اہمیت منوا رہا ہے۔ نئی نسل رسمی و غیر رسمی دونوں طرح سے کمپیوٹر کا علم حاصل کر رہی ہے ۔کمپیوٹر کی معاونت سے چار طرح کےتراجم کیے جاتے ہیں۔

۱۔قواعد پر مبنی مشینی تراجم (اس طریقے میں الفاظ کے معانی اور دیگر خصائص شامل ہوتے ہیں)

۲۔مثالی تراجم (یہ تراجم ٹرانسلیشن میموری کی بناء پر کیے جاتے ہیں نیز یہ قواعد پر مبنی تراجم کی ضد ہیں۔)

۳۔شماریاتی تراجم(یہ تراجم شماریاتی ماڈل کی بنیاد پر کیے جاتے ہیں۔مشینی تراجم میں سب سے زیادہ اسی طریقہ میں تحقیق ہو رہی ہے)

۴۔دوغلا مشینی تراجم(اس طریقے میں قواعدی اور شماریاتی دونوں طریقے باہمی امتزاج سے شامل ہیں۔)

ایسے تراجم از خود مناسب،متوازن اور مربوط نہیں ہوتےبلکہ متن کا پہلے سے مطالعہ اور پھر ترجمہ کر لینے کے بعد اس میں مناسبت پیدا کرنے کے لیے ترمیم و اضافہ کیا جاتا ہے۔ کمپیوٹر میں ترجمہ کی لغت کے علاوہ بعض متون کسی ایسے موضوع سے متعلق ہوتے ہیں کہ جن کی لغت محدود اور خاص ہوتی ہے۔عہد جدید میں کمپیوٹر کا استعمال بہت زیادہ ہے۔ تراجم ادبی نوعیت کے نہ سہی تاہم بہتر اور سود مند ثابت ہو چکے ہیں۔

مشینی ترجمے میں استعمال ہونے والا ایک اہم آلہ صرفی تجزیہ کار ہے۔اگر یہ آلہ معیاری ہوگا تو مشینی ترجمے کی عمدہ کارکردگی سامنے آئے گی ورنہ معیاری متن پیدانہیں ہو سکتا۔یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مو جود ہے کہ انسانی ترجمہ اور مشینی ترجمہ مین بہت فرق ہے۔تاہم ان دونوں تراجم کا مقصد ترجمہ ہے۔انسانی ترجمہ میں جذبات و احساسات شامل ہوتے ہیں جب کہ مشینی ترجمہ معین ہوتا ہے۔ انسان کا طے شدہ ترجمہ بے لچک ہوتا ہےجبکہ متن پر کمپیوٹر کے اختیارات کی بدولت یہ احتیاط ضروری ہے کہ متن میں کوئی مبہم لفظ، جملہ یا واقعہ موجود نہ ہو۔مشینی ترجمہ کار لسانیاتی قواعد پر مبنی کوئی طریقہ استعما ل کر سکتا ہے۔ جس میں الفاظ لسانی طور پر ترجمہ کیے جاتے ہیں۔ اس طریقے میں مطلوبہ زبان کے الفاظ ماخذ زبان کے الفاظ میں تبدیل ہوتے ہیں۔انجینئر کمپیوٹر کی ان سہولتوں کا اہتمام کرتےہوئے وقتاً فوقتاً اپنی پراڈکٹ کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر کے نظام میں درکار ترامیم و اضافہ کیا جا سکے۔مختلف طرح کے سافٹ وئیر ان تراجم میں مفید ثابت ہوتے ہیں:

’’دنیا بھر میں متعدد کو ششوں کے باوجود انگریزی سے اردو میں مشینی ترجمہ کا سافٹ وئیر بنانے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ کسی معیاری اردو کمپوٹیشنل گرامر کی عدم دستیابی ہے۔اردو چونکہ ایک موضوعی زبان ہے اس لیے اس کے تکنیکی قواعدانگریزی کے قواعد کے ضابطوں پر منطبق کرنا بے حد مشکل ہے۔‘‘(۱۱)

ترجمہ کا یہ تصور بہت ہی جدید ہے۔کمپیوٹر ، لیپ ٹاپ اور موبائل فون ہر کسی کی دسترس میں ہیں۔ انٹرنیٹ کی دستیابی سے ہر شخص فیض یاب ہو سکتا ہے ،ٹیلی ویژن اور اخبارات میں ماقبل تدوین کے اطلاق کے ذریعے پیش کیا جاسکتا ہے۔

ترجمے کا عمل مختلف صورت حال سے دو چار ہوسکتاہےجیسے امورِ خارجہ کے معاملات، مختلف قوموں کے وفود کی گفتگو، تجارتی معاملات وغیرہ۔عہدِ جدید میں کمپیوٹر اور اُس سے متعلق یوں ان بے شمار سہولیات سے بھرپور استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ ذریعہ اور ترجمہ کے مترا دف اور متبادل یادداشت میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ کمپیوٹر کے علاوہ موبائل فون میں بھی یہ سہولتیں با آسانی دستیاب ہیں۔کچھ بعید نہیں کہ پاول اینگل کی یہ بات درست ثابت ہو کہ ترجمہ کرو یا مر جاؤ کہ جس میں انھوں نے ترجمے کی اہمیت و افادیت کا بھر پور اظہار کیا ہے۔:

"As this world shrinks together like an aging orange and all peoples in all cultures move closer together (however reluctantly and suspiciously) it may be that the crucial sentence for our remaining years on earth may be very simply: TRANSLATE! OR DIE ."[12]

ترجمہ کاسب سے بڑا موضوع ترجمہ کے مسائل ہیں۔ ترجمہ دو زبانوں میں موجود اطلاع یا پیغام ابلاغ کرتا ہے۔ ذریعہ کی زبان، اُس کی ثقافت، لغت، جملے، ساختیں، گرائمراور دیگر اجزا ترجمہ کی زبان سے مختلف ہوسکتے ہیں۔ ان وجوہات کی بنیاد پر ترجمہ میں مسائل جنم لیتے ہیں جن کی وجہ سے درست ابلاغ تکمیل نہیں پاسکتا۔ ترجمہ میں مشکلات کی فہرستیں تیار کی جاسکتی ہیں اور اُن کی درجہ بندی بھی کی جاسکتی ہے۔ یہ بہت ہی کارآمد اور جامع عمل ہے جس کی وجہ سے ترجمہ کے لامحدود مسائل کا ممکنہ حل تلاش کیا جاسکتاہے۔

اردو ترجمے کی منتخب اصطلاحات میں ایک اور اہم اصطلاح’’جعلی ترجمہ‘‘ ہے،اس سے مراد ایسے تراجم ہیں جو بظاہر تو تراجم محسوس ہوتے ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ مختلف ثقافتوں کے متن بعض اوقات قابل ترجمہ نہیں ہوتے چناں چہ ایسی صورت حال میں متن کا مرکزی خیال ترجمہ کی زبان ،محاورہ اور روزمرہ میں پیش کردیا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ متن کے پیغام میں ممکنہ حد تک ابلاغ کا باعث بنتاہے۔ معاشرتی اور ثقافت معنویت اور معلومات کے اظہار خیال کے لیے ایسے ہی تراجم کی مدد لی جا سکتی ہے۔

"It is not about translating words, sentences or texts but is in every case about guiding the intended co-operation over cultural barriers enabling functionally oriented communication."[13]

نظیر اکبر آبادی کی بہت سی نظمیں مقامیت پر مبنی ہیں۔ ان نظموں کا ہو بہو ترجمہ ناممکن ہے ۔یہی وجہ ہے کہ مفہوم تک شناسائی کو اہمیت دی جاتی ہے ۔ اس طرح کا ترجمہ ابلاغ کیا جاسکتا کا باعث بنتاہے۔تاہم حقیقی صورتحال خال خال ہی دکھائی دیتی ہے۔

مثال کے طور پر:

ہے جن گنے مہیا پکا پکایا کھانا
اُن کو پلنگ پہ بیٹھے جھڑیوں کا حظ اُڑانا
ہے جن کو اپنے گھر میں یاں لون تیل لانا
ہے سر پہ اُن کے پنکھا یا چھاج ہے پرانا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ایسا ترجمہ جو بظاہر حقیقت پر مبنی ہو لیکن کسی تحقیق کے نتیجے میں ثابت ہو کہ وہ ترجمہ جعلی ترجمے کی ایک شکل اوراصل متن سے مختلف ہے۔ اس طرح کے ترجمہ کو اصل جعلی ترجمہ کی اصطلاح میں پیش کیا جاتا ہے۔حالاں کہ کامیاب تراجم وہی ہوتے ہیں جو اصل متن کا بھرپور اظہار ہو ناور اس میں ترجمہ نگار کا فکرو فن بھی برقرار رہے:

''ترجمہ کے بغیر آج کوئی زبان جدید اور ترقی پذیر ہونے کا دعوی نہیں کر سکتی۔ یہ ایک ایسا فن ہے جس پر قدرت حاصل کرنے کے لیے شوق و صلاحیت ہی نہیں مشق و مزاولت اور اصولی واقفیت بھی درکار ہے۔''(۱۴)

اس کے علاوہ اصطلاح سازی سے واقفیت، ترجمے کے مختلف نظریات و اقسام اور زبان و اسلوب کے مسائل سے جانکاری کے بعد ہی اصلی اور حقیقی ترجمہ منظر عام پر آ سکتا ہے۔تاہم جعلی تراجم بہت ہی کم مشاہدہ میں آتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہمیں علم ہی نہیں ہوتا کہ زیر مطالعہ تحریر ذریعہ کا متن ہے یا ترجمہ ہم فرض کرلیتے ہیں کہ وہ ترجمہ ذریعہ کا متن ہی تھا۔ تاہم تحقیق کے نتیجے میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ تحریر ذریعہ کا متن نہیں بلکہ ترجمہ کا ''اصلی جعلی'' متن ہے ۔

''ہمارا دانشور طبقہ ملکی تخلیقات کے تراجم کی بجائے سرقہ بالجبر سے کام لیتا رہا ہے۔جب جی چاہا حسب ضرورت کسی مفکر یا مصنف کی تخلیق سے کچھ حصہ اخذ کیا ۔ بعض دفعہ اس کا حوالہ درج کیا اور بعض دفع اس کا نام گول کر کے اپنا نام جڑ دیا۔''(۱۵)

یہ صورت حال تشویش کا باعث ہے کیونکہ اس میں براہ راست تراجم کی بجائے تشکیک کا رویہ غیر صحت مندانہ سرگرمیوں کو فروغ دیتا ہے جس سے انتشار کی کیفیت پیدا ہوتی ہے:

''مترجموں کی اکثریت کو انگریزی اردو زبان پر کافی عبور حاصل نہ ہونے کی وجہ سے یہ ترجمے بالعموم ناقص ہوتے ہیں۔ اور ان میں جگہ جگہ زبان ، طرز بیان اور ترجمے کی ایسی لغزیشیں نظر آتی ہیں جو بعض اوقات نہایت تمسخر انگیز ہو جاتی ہیں۔''(۱۶)

مستند تراجم کی بجائے آزاد اور ناقص تراجم اس لیے بھی فروغ پاتے ہیں کہ ان میں ماخذات کے حوالے سے آگاہ نہیں کیا جاتا۔

تخلیقی ترجمہ کی بات کی جائے تو اس کی اہم خاصیت تہہ در تہہ معنویت ہے۔ترجم متن کی معنویت کا کامل ابلاغ قرار دیا جاتاہے۔تخلیقیت پر مبنی ہونے کے باوجود ایسا ادب محض ترجمہ کہلاتا ہے۔ شاعری کا ترجمہ اس لیے کٹھن تصور کی جاتاہےکہ شاعر کا احساس،خیال،لغت کا انتخاب اور صنائع اور بدائع کا استعمال مکمل طور پر موضوعی یوں بھی معروضیت کا شاعری جیسی مزاجی صنف سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔مگر علم اور اس کی مہارت اور ریاضت ترجمہ نگار میں تخلیقی صلاحیت پیدا کرتے ہیں کہ وہ ذریعہ کے متن کا تخلیقی جوہر ترجمہ کے متن میں پیش کردے:

''علمی و ادبی اور فنی مواد کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا خاصا دشوار کام ہے۔ یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جو متعلقہ علم ، صنف ادب یا فن کا ماہر ہونے کے علاوہ دونوں زبانوں پر مکمل قادر ہو۔''(۱۷)

برصغیر پاک و ہند میں تراجم کی تاریخ اس لیے بھی قدیم ہے کہ ہندوستان پر حکمرانی کرنے والے بیرونی حملہ آور رعایا کی زبان سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے تھے ۔ مغل حکمرانوں میں اکبر نے سنسکرت کی کتابوں کے فارسی میں تراجم کرائے۔ انگریز وں نے باقاعدہ فورٹ ولیم کالج کی بنیاد رکھی ۔ اودھ بھی انگریزی کتابوں اور رسالوں کے تراجم کیے گئے ۔ تراجم کی اہمیت میں اضافہ ہوا تو یہ انفرادی سطح کی بجائے اداروں کی صورت سامنے آئے۔مثلاً ریاست جموں و کشمیر میں مہاراجہ رنبیر سنگھ کا قائم کردہ ''دارالترجمہ'' دہلی کالج کی ''انجمن اشاعت علوم بذریعہ السنہ ملکی یا دہلی ورنیکلرٹرانس لیشن سوسائٹی، انجمن پنجاب لاہور، انجمن ترقی اردو ہند اور دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ

وغیرہ کا مقصد یہ تھا کہ:

''ترجمے یا جدید کتب کی تالیف کے ذریعے ہندوستان کی زبانوں کی ترقی میں کوشش کی جائے۔''(۱۸)

پاکستان میں ادبی کتابی سلسلوں کا آغاز ۱۹۴۷ء میں ہوا اور یوں تراجم کی ایک بھرپور روایت پروان چڑھ رہی ہے۔تقریباً ہر شمارے میں ترجمہ شدہ کہانی، ناول، مضمون، نوبل لیکچر، آپ بیتی ،نظم غیر ملکی تخلیقات اور علاقائی ادب شامل ہوتا ہے۔ گارسیامارکیز تراجم کی تخلیق کویوں سراہتے ہیں:

''اچھا ترجمہ ہمیشہ ایک نئی زبان میں از سرِنو تخلیق کرنا ہے-------- اسی لیے تو میں مترجمین کا اتنا مداح ہوں۔ وہ دانش ور سے زیادہ وجدانی ہیں۔''(۱۹)

تخلیقی ادب اور اس کے تراجم کا جاندار سلسلہ بہترین تخلیقات کے انتخاب کے علاوہ ترجمے کا محرک ہے ۔ ادبی کتب کے تراجم سے ادب کے قارئین نہ صرف اپنے ذوق کی تہذیب وترتیب کر سکتے ہیں بلکہ ان ادبی تخلیقات سے باآسانی فیض یاب ہوتے ہیں جو زبان سے ناواقفیت کی بناپر ان کی دسترس سے میلوں دور ہوتیں۔بقول آل احمد سرور:

''ترجمے کی اہمیت کسی طرح تخلیق سے کم نہیں، اس لیے امریکہ میں ترجمے کے لیے دوبارہ تخلیق (Recreation)کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔''(۲۰)

اگر فن پارہ تراجم کے مراحل اس طرح طے کرے کہ بذات خود ایک تخلیق بن جائے تو اس سے نہ صرف حظ اٹھایا جا سکتا ہے بلکہ ایسے تراجم اپنا آپ منوا کے رہتے ہیں:

''ہر فرد کے چہرے پر تباہی، دہشت اور نفرت چھائی ہوئی ہے۔ آخر ہم کس کس فرد کو اور کس کس بات کو مانیں۔ چوں کہ میرا اور موت کا روزانہ کا ساتھ ہے اس لیےسب کچھ اب پاگل پن لگتا ہے۔''(۲۱)

تخلیقی ادب میں فکری اور جذباتی حوالے سے ادیب اور مترجم ایک ہی نہج پہ کھڑے نظر آتے ہیں۔ترجمہ سے قبل تخلیق کا بار بار مطالعہ اور مختلف طرح کے پہلوؤں کا بغور جائزہ از حد ضروری ہےکیونکہ تخلیق کار کے ذہنی اضطراب اور اس ماحول کو سمجھے بغیر ترجمہ اپنا وقار کھو دیتا ہے۔اور ترجمہ تخلیقی اہمیت کی بجائے لفظی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ادبی تخلیق کے ترجمے میں انتخاب کو اہمیت حاصل ہے، ایسا ادب منتخب کیا جائے جو نہ صرف اصلیت پر مبنی ہو بلکہ مستند حیثیت رکھتا ہو بلکہ مترجم اس کا فنی و فکری مطالعہ نہایت باریک بینی سے کرے تاکہ ایک عمدہ ترجمہ منظر عام پر آ سکے:

''مترجم پورےمتن کا ماخذمتن سے موازنہ کرتا ہےکہ اس میں فکر و احساس اور معنی آفرینی میں کہیں کچھ کمی تو نہیں رہ گئی یا اپنی جانب سے کچھ اضافہ تو نہیں کیا گیا ہے۔''(۲۲)

یہی وجہ ہے کہ ترجمہ کا فن طبع زاد تخلیق سے زیادہ مشکل قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس میں ترجمہ کی ہوئی تحریر نہ صرف اپنا آپ منوا رہی ہوتی ہے بلکہ اس میں تخلیقی ادب کی خاصیت اور چاشنی بھی نظر آتی ہے۔

''فن ترجمہ نگاری کی کوئی انتہا نہیں ہو سکتی، کہیں نہ کہیں سے کسی علم سے متعلقہ تحریروں کو ہر وقت ترجمہ کارترجمہ کرتے رہتے ہیں اس طرح ا س کی بڑھوتری مسلسل ہوتی ہے۔''(۲۳)

یوں ترجمہ جہاں زبان کے پھلنے پھولنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے وہیں یہ اصطلاحات شاخوں کی مانند اس کے ساتھ جڑی رہتی ہیں۔ ترجمہ وسعت الفاظ کا باعث بنتا ہے نیز اس سے انسانی ذہن مخصوص علاقے تک پابند رہنے کی بجائے اجنبی سرزمین کو کھوجتا ہےجس سے اس کی فکر اور تحقیق میں اضافہ ہوتا ہے۔نئے علوم اور نئی اصناف قاری کو جہانِ حیرت میں لے جاتے ہیں۔ترجمے کی بدولت تہذیب و تمدن ، تاریخ و شناخت اور قوموں کے مزاج سے واقفیت ملتی ہے۔ان چند اصطلاحات

سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کہ ترجمے کی فن میں اصطلاحات سازی نئے الفاظ و خیالات کا باعث بنتی ہے-

حوالہ جات

۱۔ **تخلیق مکرر**، لاہور :سوندھی ٹرانسلیشن سوسائٹی، گورنمنٹ کالج ،۲۰۰۱ء ، ص۱
۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، **ارسطو سے ایلیٹ تک**، اسلام آباد :نیشنل بک فاؤنڈیشن،۲۰۰۳ء، ص ۱۳
۳۔ نجیب جنگ، (سرپرست)، مشاورتی کمیٹی، ترجمے کے فنی و علمی مباحث، نئی دہلی:جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر، ۲۰۱۲ء، ص ۱۴۸
۴۔ حامد بیگ، مرزا، **اردو ترجمے کی روایت**، اسلام آباد :دوست پبلی کیشنز ، ۲۰۱۳ء، ص ۴۰،
۵۔ خالد محمود خان، **فن ترجمہ نگاری**،اصطلاحات ترجمہ، ملتان :بیکن بکس،س ن ، ص۶۵
6. Dab, B, "Translation into a second language: Can we, should we? ", 2005
۷۔ خالد محمود خان، فن ترجمہ نگاری۔اصطلاحات ترجمہ، ص ۱۳
۸۔ خلیق انجم، **فن ترجمہ نگاری**، نئی دہلی : ثمر آفسٹ منٹرز ، اپریل ۱۹۹۵ء، ص ۳۲۔۳۳
۹۔ خالد محمود خان ، **فن ترجمہ نگاری**۔لفظوں کی ثقافت کا نظریہ اورترجمہ کامل ،ص۱۸۲
10. Cat ford, J.C. "A Linguistic Theory of Translation", London, Oxford University Press, ۱۹۶۵ء
۱۱۔ ڈاکٹر عطش درانی(مرتب)، **اردو اطلاعیات**، اسلام آباد :مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ ء،ص۶۲
12. Paul Engle, "Foreward, Writing from World War II", Iowa University Press, 1985, Quoted by Bijay Kumar Das, "A Handbook of Translation Studies", Page. 109, Atlantic Publishers, B-2 Vishal Enclave, New Delhi, 2005.
۱۳۔ خالد محمود خان ،**فن ترجمہ نگاری**۔ اطلاقی جہات، ملتان:بیکن بکس ، ص۴۱
۱۴۔ قمر رئیس ، ڈاکٹر،**ترجمہ نگاری کا فن اور روایت**، کراچی:سٹی بک پوائنٹ، نوید سکوئیر اردو بازار،۲۰۱۴ء، ص ۱۸
۱۵۔ نثار احمد قریشی (مرتب)، **ترجمہ روایت اور فن**، اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان ،۱۹۸۵، ص ۳۱
۱۶۔ مولوی میر حسن ، ایم اے، مغربی تصانیف کے اردو تراجم، خیرات آباد :ادارہ ادبیات اردو ، رفعت منزل، ص۱۲۹۔۱۹۳۰
۱۷۔ مسکین علی حجازی، ڈاکٹر، **صحافتی زبان**، لاہور :سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۴ء، ص ۴۳
۱۸۔ مولوی عبدالحق، مرحوم دہلی کالج، دہلی:انجمن ترقی اردو، ۱۹۴۵ء ،ص۲
۱۹۔ گارسیامارکیز/آصف فرخی ، ترجمے کی تنہائی، کراچی:مشمولہ **دنیازاد** ، اپریل۲۰۰۱ء، ص۲۳۱
۲۰۔ خالد محمود خان، **فن ترجمہ نگاری**۔نظریات،ملتان:بیکن بکس ، ص ۲۱۳
۲۱۔ آندرے ژید/عطاصدیقی، جان سے جاتے جاتے، (فرانسیسی کہانی)، کراچی :مشمولہ، **مکالمہ** ، جولائی۔ستمبر۱۹۹۶ء، ص۳۹۰
۲۲۔ نجیب جنگ، (سرپرست)، مشاورتی کمیٹی، **ترجمے کے فنی و علمی مباحث**، نئی دہلی:جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر، ۲۰۱۲ء، ص ۴۲
۲۳۔ خالد محمود خان، **فن ترجمہ نگاری** :تاریخ ترجمہ، ملتان:بیکن بکس، ص ۳۴۳